ڈاکٹر رشیدہ حسن

فارسی شاعری میں برصغیر کی خواتین کا حصہ

Although the women has extraordinary qualities, and she has proved it. But besides all her abilities she had always suffered from man-domination, which has affected her abilities of expression. The women of sub-continent after all restrictions of society has expressed her feelings through poetry, and made verses like Iranian women poets i.e. Parveen Aitisami, Semen Behbahani, Faroogh-Farrukhzad etc. Women poets of sub-continent left behind marvles Deevans of Persian Poetry. Their struggle made them ever lasting, like Rabia-Khuzdari, Razia Sultana, Zeban Nisa and Noorjahan.

عالمی مفکر، فلسفی، دانشور اور ہمارے قومی شاعر، علامہ اقبال عورت کے بارے میں کچھ یوں رقمطراز ہیں کہ: وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ ۔کائنات میں بکھرے حسین رنگوں کی اس مسبب، اس تخلیق کی کس کس جہت کو زیر بحث لایا جائے، جسے مرد سالاری یعنی Man Domination نے جب چاہا اور جہاں چاہا اہانت اور تحقیر کا نشانہ بنایا۔ اس کی صلاحیتوں سے پہلو تہی کی اور اس کی نسوانی شان اور وقار کو کب اور کہاں مورد استہزا قرار نہیں دیا گیا۔ لیکن یہی عورت ہر قدم پر ثابت کرتی رہی کہ اگر سازگار ماحول اور مواقع فراہم کیے جائیں تو ہر میدان میں نہ صرف مرد کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے بلکہ اس پر سبقت بھی لے جا سکتی ہے۔ خالق کائنات کی اس ناتواں و ناچیز مخلوق کی کس کس نقطے سے تعریف کی جائے جو ہر ہر محاذ پر مرد کی عالمی آمریت کے خلاف مصروف جہاد رہی اور اپنا وجود منواتی رہی، لیکن بہت سے معاشرتی حقوق سے محروم رہی اور اس کے حصے میں کچھ نہ آیا۔

باوجود ان تمام ناہمواریوں اور ناسازگاریوں کے نہ صرف یہ کہ گھر کے اندر ایک مؤثر کردار کی حامل رہی بلکہ زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے گھر سے باہر کی دنیا میں بھی مرد کی دمساز رہی۔ عورت! جس نے دائیں ہاتھ سے اپنے لخت جگر کا گہوارہ جھلایا، تو بائیں ہاتھ سے زمانے کے پہیے کو مصروف گردش رکھا۔ مناسب ماحول اور مواقع کے فقدان کے باوجود ہزاروں خواتین انجینئر، ریاضی دان، فلاسفر، زباں شناس، محقق، ڈاکٹر، استاد اور دانشور کی حیثیت سے سامنے آئیں۔ تاریخ انسانیت پر اپنا نام ثبت کیا اور معاشرے میں اہم مقام و منزلت حاصل کرنے میں کامیاب رہیں اور ثابت کیا کہ وہ بھی آزادانہ اپنے لیے ''سرنوشت ساز'' ہو سکتی ہیں، اپنی تقدیر کا محل اپنے ہاتھوں تعمیر کر سکتی ہیں اور اپنے آنے والے کل کے لئے فعالانہ برسر پیکار رہ سکتی ہیں۔ مردوں کے اس معاشرے نے کبھی اقتدار کے سائے میں، اور کبھی کسی اور معاشرتی دباؤ کے حیلوں سے عورت کو زیر فشار رکھا۔ اور اسے خاموشی، تسلیم و رضا، ڈر خوف، شرم و حیا، دو دلی، رازداری اور آخر کار ناکامی و نامرادی کے ساتھ موت کے کنویں میں دھکیل دیا۔ مگر

؎ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لے

کے مصداق اس کی صلاحیتوں کو جلا ملتی رہی۔اور مشکلات کے آگے ڈٹ کر ہر بند و زنجیر کو توڑنے کا حوصلہ ملا۔

آن بیل سبک سیرم ہر بند گسستم من

پابندیوں کے مدوجزر میں کامیاب غوطہ خوری کے بعد عورت نے خود ہی اپنے خلاف تاریخ عالم کے اس نظریے کو بدلا کہ:
عورت! بے چاری حقیر و ناتواں مخلوق! یہی عورت ہر زمانے میں ہر پہلو سے سیاسی، معاشرتی، اقتصادی اور علمی امور میں سرگرم عمل رہی حتیٰ فرمانروائی اور حکمرانی میں بھی رضیہ سلطانہ اور چاند بی بی نے ذہنوں پر گہرے نقوش چھوڑے۔زندگی کے دوسرے شعبوں کے ساتھ ساتھ فنون لطیفہ میں بھی عورت نے ثابت کیا کہ پروین، مہستی، مخفی اور نور جہاں تھیں، ہیں اور رہیں گی اور ان کے وجود کی ارزش و اہمیت سے انکار ناممکن ہے۔

فارسی شاعری میں اگر رودکی، منوچہری، حافظ، سعدی، خیام فردوسی، رومی، مسعود سعد، حکیم کاشانی اور صائب تبریزی آثار جاوداں کے حامل رہے ہیں تو خواتین میں بھی پروین اعتصامی، رابعہ قزداری، سیمین بہبھانی، فروغ فرخ زاد کسی بھی مرد سخن سرا (شاعر) سے کم مرتبہ نہ تھیں۔انہیں فارسی شعر و ادب میں وہی قدر و منزلت حاصل رہی جو ان کے مرد ہم عصر شعرا کا نصیبہ تھی۔بقول شاعر،شعر اور عورت: ایک ہی معانی کے حامل دو لفظ ہیں۔عورت نہ ہوتی تو شعلہ عشق و شور نہ بھڑکتا اور اگر یہ شعلہ اور نور نہ ہوتا تو حسن زن عالمگیر نہ ہوتا، جو تصویر کائنات کو رنگین بنانے کا باعث ہوا۔شعری دیوان وہ چراغ ہے جو زندگی کے مقصد و یعنی عورت کے محبت بھرے دل کی نمائندگی کرتا ہے۔یہ وہ مشعل ہے جو عشق کی بجھتی چنگاریوں کو از سر نو بھڑکاتی ہے۔یہ وہ ساز ہے جو اہل عالم کی محفلوں کو نغمۂ عشق سے معمور رکھتا ہے۔

فارسی شاعری کے حوالے سے جہاں ایرانی خواتین نے شعر و ادب کے میدان میں مردوں کے مساوی درجہ حاصل کیا اور داد سخن دی اور خوبصورت تخلیقات یادگار چھوڑیں۔وہاں برصغیر میں بھی فارسی گو شاعرات صاحب کمال و فن پیدا ہوئیں جنھوں نے اپنے حقیقی وجود کو حیا و حجاب اور انا کے پردوں میں مستور رکھتے ہوئے بیداد زمانہ اور اپنی نارسائیوں کو زبان بخشی اور فارسی شعر و ادب میں وہ شاہکار تخلیق کیے کہ اہل عالم اور ارباب شعر و ادب کی نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔

آیئے برصغیر کی چند سر برآوردہ خواتین شاعرات کا جائزہ لیں جنھوں نے ان نامساعد حالات میں جہاں بیٹی کا گھر سے باہر قدم رکھنا ننگ و عار سمجھا جاتا تھا اور کوشش تھی کہ حتی الامکان نہ صرف وہ بلکہ اس کا نام بھی گھر سے باہر نہ لیا جائے۔ان حالات میں خواتین کا غزل سرائی پر آمادہ ہونا اور صاحب دیوان قرار پانا، کاری داشت!

ان مشاہیر زنان میں درج ذیل خواتین سرفہرست تھیں جنھوں نے بہترین شاہکار تخلیق کیے۔

بہو بیگم

برصغیر کی با استعداد شاعرہ جو فارسی زبان میں شعر کہتی تھیں۔آپ شجاع الدولہ کی شریک حیات اور اودھ کے پانچویں نواب محمد یحییٰ آصف الدولہ (۱۱۸۸-۱۲۱۲ق) کی والدہ تھیں۔اہل علم و فضل کی حامی تھیں۔ذہین اور صاحب فراست تھیں۔

مہ رنگی

گیارھویں صدی ہجری کی ایک اور فارسی گو شاعرہ، آپ کشمیری النسل تھیں۔شاہجہان کی ہم عصر تھیں۔جہانگیر کے عہد میں رقاصی اور مطربی کا پیشہ ترک کر کے گوشہ نشینی اختیار کی۔نمونے کے طور پر شعر ملاحظہ فرمایئے:

موبہ مو نالہ ام گویا کہ استاد ازل

رشتۂ جانم جای تار در طنبور بست

اور شعر ملاحظہ ہو:

روزی کہ نھادیم درین دیر قدم را
گفتیم صلا است عرب را و عجم را (۱)

بیگم دہلوی

یہ برصغیر کی فارسی زبان کی شاعرہ تھیں۔ دہلی میں شاہجہاں آباد کی رہنے والی تھیں۔ ان کا فارسی کلام نمونے کے طور پر ملاحظہ ہو:

گر میسر شود آن روی چو خورشید مرا
پادشاہی چہ کہ دعوای خدائی بیگم (۲)

تصویر ہندی مرشد آبادی

تیرھویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے اوائل میں بلقیس خانم کے نام سے فارسی اور اردو زبان میں شعر کہتی تھیں۔ مرشد آباد کی رہنے والی تھیں۔ ان کے شوہر میر عشقی بھی فارسی کے شاعر تھے۔ تذکرۃ الخواتین کے مؤلف نے امیر جوشش عظیم آبادی کے حوالے سے جو خود بھی اس واقعے کا شاہد ہے، لکھا ہے کہ ایک دن تصویر اپنے شیر خوار بچے کو کندھے پر اٹھائے گھر کے صحن میں کھڑی تھیں کہ شوہر نے یہ مصرعہ کہا:

دیدم بدوش آن مہ طفلی پری نژادی

تصویر نے فی البدیہہ دوسرا مصرعہ کہا:

چون مصرعای کہ باشد پیوند مستزادی

درج ذیل شعر بھی انہی کا ہے۔

نقد زائی منت شناختہ ام
بد بلائی منت شناختہ ام (۳)

جاناں بیگم

۱۰۷۰ھ میں برصغیر کی فارسی شاعرہ، بذاتِ خود اہل علم وفضل میں شمار ہوتی تھیں۔ زہد و تقویٰ کی حامل اور مفسرہ تھیں۔ آپ کے والد عبدالرحیم خان (۹۶۴-۱۰۳۶) خانخاناں کے لقب سے معروف تھے اور جہانگیر کی افواج کے سالار تھے۔ وہ خود ادیب اور شاعر تھے اور اہل دانش کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ خاص طور پر ایرانی شعراء کو ان کی خاص حمایت حاصل رہی۔ جاناں بیگم دہلی میں پیدا ہوئیں، وہیں پلی بڑھیں اور علم و کمال کے اس درجے تک پہنچیں کہ نزھۃ الخواطر کے مصنف کے بقول، اس دور کا کوئی فرد اس پائے کو نہ پہنچ سکا۔ جاناں بیگم نے قرآن کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ مندرجہ ذیل شعر نمونہ کلام کے طور پر ملاحظہ ہو:

عاشق ز خلق عشق تو پنہان چسان کند
پیداست از دو چشم ترش خون گریستن (۴)

جہان آرا بیگم

برصغیر کی ایک صوفی مسلک شاعرہ تھیں۔ فارسی زبان میں شعر کہتی تھیں۔ ہندوستان کے بادشاہ، شاہجہان کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔ آپ کی والدہ ارجمند بانو بیگم ممتاز محل کے لقب سے مشہور تھیں۔ خوبرو اور خوش مزاج خاتون تھیں۔ ادیبوں،

شاعروں اور دانشوروں کو آپ کی پذیرائی اور حمایت رہی۔ اس عظیم شاعرہ کے سنگ مزار پر ان کا اپنا ہی کہا ہوا شعر کندہ ہے۔

بغیر سبزہ نپوشد کسی مزار مرا
کہ قبر پوش غریبان ہمین گیاہ بس است (۵)

درج ذیل اشعار ان کے اس مرثیے سے منتخب کیے گئے ہیں جو انھوں نے اپنے صاحبزادے کی وفات پر کہا۔

ای آفتاب من کہ شدی غایب از نظر
آیا شب فراق ترا ہم بود سحر
ای پادشاہ عالم و ای قبلۂ جہان
بکشای چشم رحمت و برحال من نگر
نالم چنین ز غصہ و بادم بود بہ دست
سوزم چو شمع در غم و دودم رود بہ سر (۶)

جہانی دہلوی

آپ بھی برصغیر کی معروف شاعرہ تھیں۔ فارسی زبان ہی میں شعر کہے۔ دہلی کی ایک سرکردہ شخصیت کی شریک حیات تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد مفلوک الحال زندگی بسر کی۔ نمونہ کلام ملاحظہ کیجئے:

گل باغ و رخ آن غنچہ دہن ہر دو یکی است
قد رعنای وی و سرو چمن ہر دو یکی است (۷)

جمنی خانم

گیارھویں صدی کے اواخر اور بارھویں صدی کے اوائل میں فارسی شاعری میں نام پیدا کیا۔ درج ذیل شعر نمونہ کلام کے طور پر پیش ہے۔

ز نیکان نیکی و از ظالمان ظلم
چو عکس از آئینہ ہر حال پیدا است (۸)

امانی

زیب النسا کی کنیز، امانی تخلص کرتی تھیں۔ فارسی زبان کے خوبصورت اشعار یادگار چھوڑے۔ زیب النسا مخفی تخلص کرتی تھیں۔ لہٰذا امانی بھی شعری ذوق سے بے بہرہ نہ رہیں۔ کہتے ہیں ایک دن زیب النساء کے ہمراہ باغ میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ زیب النساء نے سوال کیا:

ای امانی گل صد برگ چرا می خندد؟

امانی نے فی البدیہہ جواب دیا:

بر بقای خود و بر غفلت ما می خندد

درج ذیل شعر نمونہ کلام کے طور پر پیش ہے۔

آنقدر روز ازل تیرہ نصیبم کردند
تیرگی می طلبد شام غریبان از من (۹)

حیات النساء بیگم

گیارہویں صدی میں برصغیر میں فارسی زبان کی یہ شاعرہ، بادشاہ جہانگیر کی ازواج میں سے تھیں۔ لطفِ طبع اور ذوقِ شعری سے سرشار تھیں۔ حیات تخلص کرتی تھیں۔ جلال الدین اکبر کے صاحبزادے جہانگیر کی دونوں بیویاں شعری ذوق رکھتی تھیں۔ ایک حیات اور دوسری نور جہاں تخلص کرتی تھیں۔ درج ذیل شعری مکالمہ انہی کے درمیان ہوا۔

نور جہاں: تو پادشاہ جہانی ترا جہان باید

حیات النساء: اگر حیات نباشد جہان چکار آید (۱۰)

کہتے ہیں جہانگیر ایک دن ایک شہزادے کے ساتھ شطرنج کی بازی میں مصروف تھا۔ طے پایا کہ ہارنے والا اپنی ازواج میں سے ایک جیتنے والے کے سپرد کرے گا۔ جہانگیر ہارنے کے قریب تھا۔ بیویاں بازی دیکھنے میں مصروف تھیں۔ جہانگیر نے بیویوں سے مشورہ کیا۔ نور جہاں جو جہاں تخلص کرتی تھی بولی:

تو پادشاہ جہانی جہان ز دست مدہ
کہ پادشاہ جہان را جہان بکار آید

دوسری زوجہ جو حیات النساء بیگم تھی اور حیات تخلص کرتی تھی جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے جواب دہ ہوئیں:

جہان خوشست و لیکن 'حیات' می باید
اگر حیات نباشد، جہان چکار آید

جہانگیر کی ایک اور شریکِ حیات فناء النساء بیگم جن کا آگے ذکر آئے گا، فنا تخلص کرتی تھیں اور وہ بھی مصروفِ تماشا تھیں، بولیں:

جہان و حیات این ہمہ بی و فاست
''فنا'' را نگہدار، آخر فناست

دلارام

یہ بھی جہانگیر کی شریکِ حیات تھیں اور اسی شطرنج کی بازی کے بارے میں سوچ میں ڈوبی تھیں، مندرجہ ذیل شعر کہہ کر گویا جہانگیر کو شطرنج کی یہ بازی جیتنے کا آخری گر بھی بتا دیا اور ایک خوبصورت شعر بھی تخلیق کیا۔

شاہا! دو رخ بدہ و دلارام رامدہ
پیل و پیادہ پیش کن و اسب گشت مات

نمونے کے طور پر دلارام کے اور شعر ملاحظہ ہوں۔

بنوشیدم سحر گہ چون شراب ارغوانی را
گرو کردم بہ جام می لباس پارسائی را
شدم ہمدم بہ میخواران بہ خلوت خانۂ حیرت
شکستم ساغر و پیمانۂ زہد ریائی را
گرفتم دامن صحرا شدم ہم پنجۂ مجنون
سبق آموز گشتم درس عشق بے نوائی را

ایک اور مقام پر کہتی ہیں۔

بہ آہ و نالہ کردم صید خود وحشی نگاھا را
بہ زور عجز کردم رام خود این کج کلاھا را

اور یہ اشعار بھی انہی کے ہیں۔

محو از دل خودساز ھمہ نقش عدم را
منزلگہِ اغیار مکن فرش حرم را
سرمایہ عقبیٰ بہ کف آور کہ مبادا
تقدیر کشد برسر تو تیغ دو دم را (۱۱)

رابعہ قزداری

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کی شاعری تھیں۔ اہل فضل وکمال اور صوفی مشرب شاعرہ تھیں۔ آپ زین العرب کے لقب سے ملقب تھیں۔ برصغیر کی یہ فارسی گو شاعرہ کعب، امیر بلخ کی صاحبزادی تھیں۔ قزدار کی رہنے والی تھیں۔ (خضدار، قصدار) یا قزدار سیستان اور مکران کے درمیان واقع ایک قدیم شہر ہے۔ ایران کے پہلے صاحب دیوان شاعر رودکی کی ہم عصر تھیں۔ تذکروں میں ان کا ذکر پہلی فارسی گو شاعری کی حیثیت سے موجود ہے۔ اور ان کے بلند مرتبے اور فارسی کلام میں ان کی مہارت کو سراہا گیا ہے۔ محمد عوفی (۶۱۸ ق) 'لباب الالباب' میں ان کی عظمت کا ان الفاظ میں اعتراف کرتے ہیں۔

"دختر کعب اگر چہ زن بود، اما بہ فضل سر مردان جہان بخندیدی۔" عطار نیشاپوری نے پہلی بار ان کے حالات زندگی کو ۴۲۹ اشعار میں "الٰہی نامہ" میں درج کیا ہے۔ بعد کے تذکروں میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ ان کی زندگی اور شاعری کے بارے میں منظوم یا منثور تفصیل ملتی ہے۔ بکتاش نامی غلام کے ساتھ رابعہ کی داستان عشق کا ذکر مولانا جامی نے نفحات الانس میں بھی کیا ہے اور ابو سعید ابی الخیر کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ یہ عشق، عشق مجازی نہیں تھا۔ بلکہ اسے عشق حقیقی کے لئے وسیلہ قرار دیا ہے۔ رابعہ کو عربی اور فارسی دونوں زبانوں پر مکمل عبور حاصل تھا۔ وہ دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ رابعہ کے اشعار کا نمونہ پیش ہے:

زبس گل کہ درباغ ماوی گرفت   چمن رنگ ارتنگ مانی گرفت
صبا نافۂ مشک تبت نداشت   جہان بوی مشک از چہ معنی گرفت
اگر چشم مجنون بہ ابر اندر است   کہ گل رنگ رخسار لیلی گرفت
بمی ماند اندر عقیقین قدح   سرشکی کہ در لالہ ماوی گرفت
قدح گیر چندی و دنیا مگیر   کہ بدبخت شد آنکہ دنیا گرفت
سر نرگس تازہ از زر و سیم   نشان سر تاج کسری گرفت
چو رهبان شد اندر لباس کبود   بنفشہ مگر دین ترسا گرفت (۱۲)

رضیہ سلطانہ

آپ شیرین تخلص کرتی تھیں۔ برصغیر کی مسلمان فارسی شاعری (۶۰۷-۶۳۴) ہندوستان کے سلسلہ غلامان کے سلطان شمس الدین التمش کی صاحبزادی تھیں۔ اس دور کے مروجہ علوم سے کافی حد تک آشنا تھیں۔ اس کے علاوہ علوم قرآنی سے وافر آگہی رکھتی تھیں۔ سلطان التمش نے ان کی لیاقت وفراست کو بھانپ کر بہت سے امور مملکت ان کے سپرد کئے اور رضیہ کو اپنی ولی عہدی کے لئے بھی منتخب کیا۔ اعلیٰ شعری ذوق کی حامل اس شہزادی کا نمونہ شعر ملاحظہ ہو:

نا دیدہ در خش چو مردم چشم   کردیم درون دیدہ جایش

ایک اور شعر ہے:

من نامہ ترا شنیدہ می دارم دوست   نا دیدہ ترا چو دیدہ می دارم دوست (۱۳)

زبدۃ النساء

بارھویں صدی کی یہ شاعرہ اورنگ زیب عالمگیر کی صاحبزادی تھیں۔ یعنی زینت النساء اور زیب النساء کی بہن تھیں۔ مشیر اکبر سیلمی نے ''زنانِ سخنور'' میں ان کا نام زبیدہ لکھا ہے۔ نمونہ کے لئے شعر ملاحظہ ہو:

بادہ نوش گر شد خون عاشقان نوشی   بعد از ین کمی با او می تو ان زدن جوشی
ہر کجا بہ من برخورد، من زعمر برخوردم   رشک ماہ طفلی پای تا سر آغوشی
ہر کجایی اخلاقی، لا ابالی، آشئی   چند اصحاب معدو، حرف کس مکن گوشی
شکل او ندارد یا ہیچکس ز مہرویان   دیروز و دو خاطر ھا، زود کن فراموشی (۱۴)

زھرہ

برصغیر کی ہنر مند، خوش نویس فارسی شاعرہ تھیں۔ تذکرۃ الخواتین کے مطابق زھرہ باذوق، خوبرو، اور خوش اخلاق خاتون تھیں۔ موسیقی اور مطربی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں خوب شعر کہتی تھیں۔ علم عروض و قافیہ سے بخوبی آگاہ یہ دانشور خاتون، ہندوستان میں لکھنؤ کی رہنے والی تھیں۔ طبقۂ امرا میں سے ایک سرکردہ شخصیت کی شریک زندگی تھیں۔ خط نستعلیق میں ماہر تھیں۔ یہ شعر انہی کا ہے:

رفتہ رفتہ تا بہ حالم مہربان گردد طبیب
این جراحت ھا کہ من دارم کہن خواھد شدن (۱۵)

زلیخا دہلوی

لو ح تمش کی زوجہ، فارسی زبان کی شاعرہ تھیں۔ عمر کا آخری حصہ دہلی میں گزارا۔ وہیں وفات پائی۔ اس سخنور خاتون نے ''ویس ورامین'' کے نام سے تالیف یادگار چھوڑی ہے۔ درج ذیل شعر، تذکرہ اختر تاباں میں ان کے احوال میں درج ہے۔

چون نباشی تو شریر و اوباش   ہر دو چشم تو جوان شیر قزلباش

زیب النسا

زیب تخلص کرتی تھیں۔ برصغیر کی زیور علم و فضل سے آراستہ یہ شاعرہ فارسی زبان میں شعر کہتی تھیں۔ آپ اورنگزیب عالمگیر کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ ان کی والدہ دلرس بانو، شاہنواز خان صفوی کی بیٹی تھی۔ زبدۃ النسا اور زینت النسا ان کی بہنیں تھیں۔ باپ نے صغر سنی میں ان کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اسی بنا پر والدہ نے درباری خواتین میں سے مریم نامی ایک حافظۂ قرآن کو ان کی تربیت کے لئے مقرر کیا۔ زیب النساء نے تین سال کے عرصے میں قرآن حفظ کیا۔ فارسی، عربی اور اُردو زبان سے خوب آگہی رکھتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہیئت، فلسفہ، اور ادبیات سے کافی حد تک بہرہ ور تھیں۔ خطوط نستعلیق، خط شکستہ و نسخ میں ماہر تھیں۔ باپ اگرچہ خود ادیب و دانشور تھا، لیکن اپنے اسلاف کی روش کے برخلاف شعراء کی جانب سے بے اعتنائی برتتا تھا۔ لیکن زیب النساء ادب دوست اور شاعر پرور تھیں۔ شاعروں کو اپنی حمایت و تشویق سے نوازتی رہتی تھیں۔ اسی بنا پر بہت سی

کتب و رسائل اور دیوان ان کے نام سے لکھے گئے۔ کہتے ہیں اورنگ زیب ملکی اور انتظامی امور میں اپنی اس بیٹی سے مشاورت کیا کرتا تھا۔ انھوں نے شادی نہیں کی۔ پینسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ ''زیب المنشآت'' اور ''زیب التفاسیر'' ان کی معروف کتابیں ہیں۔ بہت سے تذکروں میں ان کا تخلص ''مخفی'' لکھا گیا ہے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

گرچہ من لیلی اساسم دل چو مجنون در نواست
سر بہ صحرا می زنم لیکن حیا زنجیر پا ست
بلبل از شاگردیم شد ہمنشین گل بہ باغ
در محبت کاملم پروانہ ہم شاگرد ماست
دختر شاہم و لیکن رو بفقر آوردہ ام
زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النسا ست (١٦)

سلیمہ بیگم

آپ ظہیر الدین بابر کی نواسی اور گلرخ بیگم کی صاحبزادی تھیں۔ مرزا نورالدین نقشبندی ان کے والد تھے۔ اکبر بادشاہ کے حکم پر انھوں نے بیرام خان سے شادی کو جو ہمایوں اور اکبر کے زمانے میں ایک مقتدر وزیر تھا۔ بیرام خان کی وفات کے بعد اکبر نے اسے اپنے عقد میں لے لیا۔ سلیمہ بیگم ایک عفیفہ اور صاحب ایمان خاتون تھیں۔ آپ نے چار مرتبہ حج کی سعادت حاصل کی۔ شعر گوئی ان کے مزاج میں تھی۔ فخری ہروی کی ممدوح تھیں۔ شعر ملاحظہ کیجئے۔

کاکلت را گرز مستی رشتہ جان گفتہ ام
مست بودم زین سبب حرف پریشان گفتہ ام (١٧)

شاہجہان بیگم

اہل علم و فضل، حکمران شاعرہ، حاکم بھوپال جہانگیر محمد خان صاحب بہادر کی صاحبزادی تھیں۔ قلعۂ اسلام نگر میں ان کی ولادت ہوئی۔ جو بھوپال سے تین فرلانگ کے فاصلے پر واقع ہے۔ جہانگیر محمد خان صاحب بہادر کی وفات کے بعد ان کی یہ صاحبزادی، نو سال کی عمر میں برٹش انڈیا گورنمنٹ کی طرف سے باپ کی جگہ بھوپال کی حاکم بنیں۔ لیکن ان کے کمسن ہونے کی بنا پر امور مملکت ان کی والدہ چلاتی رہیں۔ شاہجہاں بیگم کی تربیت ان کی والدہ نے کی۔ فارسی لکھنا، پڑھنا اور فارسی اور اُردو شعر و انشاء کے علاوہ آداب و قواعد ملک داری بھی ماں سے ہی سیکھے۔ اپنے تمام جاننے والوں میں قرآن کے ترجمے، دینی کتب کی تحریر اور حکومتی امور میں سب سے ممتاز تھیں۔ ذہانت، حافظے اور سخاوت میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔

فارسی زبان و ادب جو کئی صدیوں تک برصغیر میں اسلامی شعر و ادب اور علم و عرفان کی زبان اور فضل و کمال کی علامت ہونے کے علاوہ ہندوستان کی درباری و سرکاری زبان تھی، تیرھویں صدی کے آخری نصف مخصوصاً انگریزوں کے تسلط کے بعد بتدریج اُردو اور انگریزی ادب کے لئے پس منظر ہموار ہوتا گیا۔ ایسے حالات میں شاہجہاں بیگم نے نئے سرے سے شاعروں اور ادیبوں کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے انہیں دربار کی جانب رخ کرنے پر مائل کیا۔ اور فارسی زبان و ادب کی توسیع و ترویج میں مصروف عمل رہیں۔ ان کے شعری دیوان کے علاوہ اور بہت سی گرانقدر تالیفات ہیں جن میں تاج الاقبال ہند، تہذیب نسواں، فرہنگ ہفت زبانہ، خزانۃ اللغات بھوپال وغیرہ مشہور ہیں۔ آپ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

ہر دم ز حسن یار من ریزد تجلای دگر   چشمم بود در ہر نظر محو تماشای دگر

ہر ذرۂ خاک درش خورشید تاباں در برش　　　از پرتو مہر رخش دارد تجلای دگر
خوبان دنیا گر ہمہ خوبند از سر تا بہ پا　　　ما شاء اللہ آن دلربا دارد سراپای دگر
شاہ جہانم بی گمان ہم تاجور در ہندیان　　جز یاد او در دو جہان دارم نہ سودای دگر

اور یہ اشعار بھی انہی کے ہیں۔

افتاد بہ گورم گذر آن سرور دان را　　　من مردہ خوشم زیست مبارک دگران را
ای چرخ چہ کردی بہ سلیمان و سکندر　　　گر زلو ہوس عیش بود شاجہان را

اور

چون بال و پر افشاند و چون دام ببرد　　　صیدی کہ ز صیاد بریدن نتواند
مشکل مرض است این کہ بفریاد رسیدہ است　　　آنکس کہ بفریاد رسیدن نتواند

اور ایک اور جگہ کہتی ہیں۔

بیدل مباش شاجہان این محبت است　　　صد بار زندہ گردم و مرگ آرزو کنم

شیریں بیگم

بعض جگہ ان کا نام شیرین بیگم تحریر ہے۔تذکرۃ النساء(اُردو) کے مؤلف کے بقول وہ اُردو زبان کی شاعرہ تھیں جو فارسی میں بھی شعر کہتی تھیں۔درج ذیل شعر ان کے نمونۂ کلام کے طور پر ملاحظہ ہو:

زین کار مرا شمار من آنم کہ من دانم　　　طریق حسن ظن مگذار من آنم کہ من دانم
اسیر نفس غدارم، گنہگار و خطا کارم　　　نیم کاذب بدین ..... من آنم کہ من دانم
رہ نخوت نمی پویم ہمی صد بار می گویم　　　خراب وزشت و بدکردار من آنم کہ من دانم
اگر خلقم کند تحسین نگردم شاد ای شیرین　　　بخلوت خالی از اغیار من آنم کہ من دانم (۱۸)

فاطمہ سام

۶۴۳ھ ق، ایک عارفہ اور زاہدہ شاعرہ، فارسی زبان میں شعر کہتی تھیں۔دہلی کی رہنے والی اور شیخ فرید الدین گنج شکر اور ان کے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل اور شیخ نظام الدین محمد بدایونی کی ہم عصر تھیں۔شیخ فرید الدین نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ'' فاطمہ سام مرد ہے جسے عورت کی صورت میں بھیجا گیا ہے''۔بدایونی نے بھی اچھے الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہتے ہیں شائستگی اور تقویٰ میں انتہا کے کمال پر تھیں۔رواں اور پُر جوش اشعار کہتیں۔نمونہ کلام:

ہم عشق طلب کنی و ہم جان خواہی　　　ہر دو طلبی ولی میسر نشود

کہتے ہیں فاطمہ ہر خاص و عام کے لئے'' قبلہ حاجات'' تھیں اور شیخ فرید الدین گنج شکر اور شیخ نجیب الدین کی منہ بولی بہن تھیں۔آپ نے دہلی میں وفات پائی۔(۱۹)

فناء النساء بیگم

فنا تخلص کرتی تھیں۔آپ ہندوستان کے بادشاہ جہانگیر کی ازواج میں سے تھیں۔یہ اشعار ان کے ہیں۔

ہنگام سحر دلبر من جلوہ گر آمد　　　صد فتنۂ خوابیدہ محشر بہ سر آمد

ایک اور مقام پر کہتی ہیں۔

مکن تکرار ای دل ہر زمان درس محبت را مدہ ہر دو عالم نشہ صہبای حسرت تا

اور یہ بھی انہی کا کلام ہے۔

من از فراق تو الماس غم بہ دل خوردم تو دل شکستی و سودای وصل ما خوردی (۴۰)

قریشی خانم تبریزی

آپ نے ایران سے ہندوستان کی جانب ہجرت کی۔ تقی الدین اوحدی مولف ''عرفات العاشقین'' کی ہم عصر تھیں۔ آپ نے ہندوستان میں ایک مرفہ الحال زندگی بسر کی۔ درج ذیل رباعی بطور نمونہ کلام حاضر ہے۔

از با دۂ وحدت است بیہوشی من وز طلعت ساقی است مدہوشی من

منصور کہ سر حق عیان کرد آن دید اسرار نھفتہ است از خاموشی من (۴۱)

قندھاری بیگم

جہانگیر کی ایک اور زوجہ، گیارھویں صدی ہجری کی فارسی زبان کی شاعرہ حسن و جمال میں بے مثال اور بدیہہ گوئی میں ماہر۔ جہانگیر خود بھی شعری ذوق کا حامل تھا۔ اور اس کی شریک حیات نور جہاں کے ساتھ قندھاری بیگم شعری مکالمے کیا کرتی تھیں۔ ان کے اشعار ہیں۔

چہرا و یک خلد حور و روی او یک عرش نور

خط رو یک گلہ مور و زلف او یک سلہ مار

درد و لعل می فروشش ہرچہ در صہباد

درد و چشم بادہ نوشش ہرچہ درستی خمار

ارغوان عارضش را حسن و طلعت رنگ و بوی

پر نیان پیکرش را لطف و خوبی پود و تار

اور ایک اور جگہ کہتی ہیں:

حدیث عشق من خاوئی و دل با دیگران بندی

دو تیغ آخر نمی دانم چسان در یک نیام آید

اور ملاحظہ فرمایئے ایک اور نمونہ کلام:

ساغر کشان سحر سر مینا چو وا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمی بہ ما کنند (۴۲)

کاملہ بیگم

جلال الدین اکبر کی ہم عصر شاعرہ دسویں صدی کے اواخر اور گیارھویں صدی کے اوائل میں دہلی میں رہتی تھیں۔ دربار اکبری کے ملک الشعرا شیخ فیضی کے مرثیے کے طور پر درج ذیل رباعی کہی۔

فیضی تو خورغم کہ دلت تنگی کرد یا پای امید عمر تو لنگی کرد

می خواست کہ مرغ عمر بیندر رخ دوست　زین واسطہ از قفس شب آہنگی کرد

اور یہ رباعی فیضی کی اس رباعی کے جواب میں کہی تھی جو فیضی نے وفات سے کچھ ہی عرصہ قبل بیماری کی حالت میں کہی۔ ملاحظہ فرمایئے۔

دیدی کہ فلک چہ زھرہ نیرنگی کرد　مرغ دلم از قفس شب آہنگی کرد
آن سینہ کہ عالمی دروی نمی گنجید　تا نیم دمی بر آوردم تنگی کرد (۲۳)

گلبدن بیگم

(۱۰۱۱-۱۰۱۰ھ ق) برصغیر کی زہد و فضل سے سرشار متقی و پارسا فارسی شاعرہ تھیں۔ آپ دہلی کی رہنے والی تھیں۔ آپ ظہیر الدین بابر کی صاحبزادی، اور ہمایوں اور گلرخ کی بہن تھیں۔ خراسان میں پیدا ہوئیں۔ چھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ ہندوستان چلی گئیں۔ بڑے بھائی اور والد کے زیر سایہ تربیت پائی۔ ترکی اور فارسی رسم الخط اور ادب کے علاوہ دوسرے فنون سیکھے۔ آپ ہمایوں کے وزیر اعظم خضر خواجہ چغتائی سے رشتہ ازدواج میں بندھ گئیں۔ چار بار حج کی ادائگی سے سرفراز ہوئیں۔ اکبر بادشاہ کی سلطنت کے اوائل میں، اسی کے حکم پر سلیس اور رواں انشاء میں ہمایوں نامہ تحریر کیا۔ کبھی کبھار شعر کہا کرتی تھیں۔ یہ ہے ان کا شعری نمونہ:

ہر پری رویی کہ او با عاشق خود یار نیست　تو یقین می دان کہ ہیچ از شعر برخوردار نیست (۲۴)

گلرخ بیگم یا گلچہرہ بیگم

آپ ظہیر الدین بابر کی صاحبزادی اور مرزا نور الدین محمد نقشبندی کی زوجہ تھیں۔ آپ کی بہن گلبدن بیگم اور بیٹی سلیمہ بیگم جن کا ذکر پہلے ہوچکا ہے، اپنے زمانے کی مشہور و معروف شاعرات تھیں۔ درج ذیل شعر گلرخ بیگم نے اپنی بہن کے استقبال میں کہا:

ہیچگہ آن شوخ گل رخسار بی اغیار نیست　راست بودہ است آنکہ در عالم گل بی خار نیست (۲۵)

گلشن

آپ، نگارستان سخن کے مؤلف کے بقول محمد شاہ کی ہم عصر تھیں۔ لیکن بعض تذکرہ نویسوں نے انھیں شاہجہان کی ہم عصر لکھا ہے۔ شعری نمونہ ملاحظہ کیجیے:

خیال قد رعنای تو ای غیرت گل　سرو آھی است کہ از سینۂ گلشن برخاست

اور

گلشن ز جلوہ تو پری خانہ گشتہ است　بوی گل از ھوای تو دیوانہ گشتہ است (۲۶)

گنا بیگم

آپ علی قلی خان والہ داغستانی کی صاحبزادی، اور اعتماد الملک (عماد الملک) غازی الدین خان بہادر کی شریک حیات تھیں۔ گنا بیگم فارسی اور اُردو زبانوں میں شعر کہتی تھیں۔ قمر الدین میر سوز اور مرزا رفیع الدین سودا ان کے اشعار کی تصحیح کرتے۔ ملاحظہ فرمایئے نمونہ کلام:

از حال ما مپرس کہ دل چاک کردہ ایم — لخت جگر بریدۂ خاک کردہ ایم

اور

تا کشیدی از نزاکت سرمۂ دنبالہ را — شد عصائی آہوی چشم بیمارت را

ایک اور نمونۂ شعر:

جگر پر سوز دل پر خون گریبان چاک و جان برلب — قضا را شرم می آید ز سامانی کہ من دارم(۲۷)

لالہ ہندوستانی

آپ بھی فارسی زبان میں شعر کہتیں۔ درج ذیل رباعی ان کی ہے۔

داریم ھوای وصل آن یار کہ نیست — خواہیم وفائی زان ستمکار کہ نیست

در فرقت یار صبر جستیم و قرار — آواز برآمد از دل زار کہ نیست(۲۸)

لطیف

لطیف النساء، شمشیر خان الل پشند کی شریک حیات تھیں۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

یاد زلفت سر بسر داریم ما — شغل این شام و سحر داریم ما

گاہ سر بر سنگ و گاہ بر سنگ سر — کی جز این شغل دگر داریم ما

دیدہ ام من آفتاب روی تو — بر رخ مہ چون نظر داریم ما

کاوش بیجاست ای چرخ عدو — صاحب حشمت نہ زر داریم ما

گاہ در کعبہ گہی در بتکدہ — جستجوی ات دربدر داریم ما

از کہ پرسم من ز حال رفتگان — کس نمی گوید خبر داریم ما

ہیم و غم دیگر ندارم ای لطیف — لیک از محشر خطر داریم ما(۲۸)

مخلص دہلوی

(۱۳۱۳ھ ش) زہرا بیگم نام تھا۔ آپ نجف میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد احمد آقا جو مولوی کے نام سے معروف تھے۔ عمر کے اواخر میں ہندوستان چلے آئے اور وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ زہرا جو مخلص تخلص کرتی تھیں، مرزا محمود تجلی تبریزی کے صاحبزادے میرزا ابو القاسم سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئیں۔ آپ کا فارسی شعری مجموعہ مرثیہ اور مدح سرائی پر مشتمل ہے۔ شکوفۂ غم، یا دیوان مخلص کے نام سے پہلی جلد نجف میں اور دوسری جلد ہندوستان میں طبع ہوئی۔ نمونۂ شعری ملاحظہ ہو:

توفیق کردگار بہ زیارت قدم نهم — من زین امید آرزوی خاک می کشم

آئی تو چون بہ تربتم ای شاہ ہر دو کون — بہتر شود مزار من از جنت ارم

خرم شود چنانکہ شود رشک باغ خلد — وز مقدم شریف جناب تو محترم

گردند مہربان بہ من زار قدسیان — گردد کبیر ما درو چون باب مکرم

من این نگویم اینکہ غلامم بہ درگہت — جاروب کش بہ باب غلامان قنبرم

اونی کمینہ خادمی ہستم ز شیعیان — از نصرت آفریدہ خداوند اکبرم(۲۹)

مشتری

قمر جان نام اور منجھو کے لقب سے ملقب تھیں۔ لکھنؤ کی رہنے والی تھیں اور اپنے زمانے کے معروف دانشمند شمس صاحب کی شاگرد تھیں۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فی البدیہہ شعر کہتیں۔ بعض شاہزادوں اور امرائے ہند کی مدح سرائی کرتیں اور صلہ پاتیں۔ نمونہ کلام:

بردر یار جھمہ سائی ھا   به ازین نیست پارسائی ھا
رتبہ من فزون ز شاہانست   می کنم بردرش گدائی ھا
از کہ آموختی نگار عزیز   جان من طرز دلربائی ھا
چہ قدر سادہ است آئینہ   می کند با تو دلربائی ھا
از تو آموخت مشتری شاید   عندلیبان غزل سرائی ھا (۳۰)

مہ لقا

آپ حسن ظاہری، ستار نوازی اور نکوکاری میں بے نظیر تھیں۔ نواب نظام علی خان کے زمانے میں حیدرآباد دکن میں رہتی تھیں۔ آپ نے مرفہ الحال زندگی بسر کی۔ شاعروں اور درویشوں سے خاص یاد اللہ تھی۔ اکثر مردانہ لباس پہنتیں اور اسلحہ ہمراہ رکھتیں۔ کمر میں تلوار باندھے، گھوڑے پر سوار باہر نکلتیں۔ اپنے مصارف سے حیدرآباد میں مسجد بنوائی۔ ایک شاعر نے کنایۃً قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے۔

چو محرابش سجود خاص و عام است   فلک گفتا کہ این بیت الحرام است

نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

بروز حشر الٰہی چو نامۂ عملم   کنند باز کہ آرزو نیاز خواہ ہست
بکن مقابلہ آنرا بہ سر نوشت ازل   کمی و بیشی اگر باشد از گناہ ہست

اور کہتی ہیں:

گدائی می کند بار تبسم لعل جانان را   کہ آن لب از شراکت بر ندارد سرخی آن را (۳۱)

مہر النساء

ملکہ ہندوستان تھیں۔ نور محل آپ کا لقب تھا۔ برصغیر کی مدبر، ہنرمند اور با استعداد شاعرہ تھیں۔ آپ خواجہ غیاث الدین محمد (خواجہ محمد شریف تہرانی) کی صاحبزادی تھیں۔ جو یزد و اصفہان کی وزارتوں پر مامور رہے۔ طہماسپ صفوی کے عہد حکومت میں دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ اپنی شریک حیات کو لے کر ہندوستان کی جانب چل پڑے۔ نور جہان کی داستان پیدائش خود ایک طویل مقالے کی متقاضی ہے۔ نور جہان نے قندھار کے بیابان میں آنکھ کھولی۔ باپ نے بچی کا نام مہر النساء رکھا۔ بعد میں ایک تاجر کے ذریعے جو اس بیابان سے گذرا کرتا اور اکبر بادشاہ کے لئے تحائف و سوغاتیں لے جاتا تھا، اس کی سفارش پر خواجہ غیاث الدین دربار اکبری میں متعارف ہوا۔ جلال الدین اکبر نے اس کی دلجوئی کی۔ اور غیاث الدین شخصی لیاقت، دانش اور علم و استعداد کی بنا پر ترقی کے مدارج تیزی سے طے کرتا رہا۔ جہانگیر کے آغاز سلطنت میں اعتماد الدولہ کے لقب سے سرفراز ہوا۔ خواجہ غیاث الدین کی زوجہ اور اس کی بیٹی کو حرم شاہی میں آمد و رفت کے مواقع ملتے رہے۔ مہر النساء کی ماں کو دربار شاہی

میں توجہ ملتی رہی۔ شاہزادیوں کی تربیت کا فریضہ سونپا گیا۔ مہر النساء بھی ماں کے ہمراہ محلات کے اندر خاص تربیت سے سرفراز ہوئیں۔ کچھ ہی عرصے میں اپنی خوبروئی اور شیریں زبانی میں دوسروں سے ممتاز نظر آنے لگی۔ باذوق اور لطیف طبع سے سرشار تھی۔ خوبصورت اور پُرمعنی گفتگو کی بنا پر شاہزادیوں اور شاہزادوں کی توجہ کا مرکز بنی رہی۔ سولہ سال کی عمر میں گھڑ سواری اور تیر اندازی میں مہارت حاصل کی۔ شاہزادہ خرم جنہیں بعد میں جہانگیر کے نام سے شہرت ملی، نورجہاں پر فریفتہ ہو گئے۔ لیکن باپ کی شدید مخالفت کا سامنا ہوا۔ شہنشاہ اکبر کے اشارے پر خواجہ غیاث الدین نے نورجہاں کو علی قلی خان کے عقد میں دیا۔ جو بعد میں شیر افگن کے نام سے مشہور ہوا۔ شیر افگن کے قتل کے بعد مہر النساء جہانگیر کی زوجیت میں آگئیں۔ بہت با سلیقہ، ہنرمند اور با استعداد خاتون تھیں۔ جلد ہی شوہر کے دل میں گھر کیا۔ پہلے نورمحل اور پھر نورجہاں کا لقب حاصل کیا۔ شاہی سکے کی ایک جانب نورجہاں اور جہانگیر کی تصویر اور دوسری جانب یہ شعر کندہ کیا جاتا تھا:

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور　　　　بنام نورجہاں پادشاہ بیگم زر

کوئی بھی شاہی حکم، نورجہاں کے مشورے کے بغیر صادر نہیں ہوتا تھا۔ نورجہاں نہ فقط امور شاہی میں بے نظیر تھی، بلکہ شعر گوئی میں بھی ایک خاص قرینے اور ذوق کی مالک تھی۔ یہ شعر نورجہاں کا ہے اور ان کی لوح مزار پر کندہ ہے۔

بر مزار ما غریباں نے چراغی نے گلی　　　　نے پر پروانہ سوزد نی صدائے بلبلی

نورجہاں حسن و خوبی اور شخصی لیاقت و استعداد کے علاوہ بدیہہ گو شاعرہ اور ہنر پرور ملکہ ثابت ہوئیں۔ نورجہاں اور جہانگیر دونوں اعلیٰ شعری ذوق رکھتے تھے۔ ان کے درمیان لطائف، بذلہ گوئی اور شعری مکالموں کی بہت سی داستانیں مشہور ہیں۔ نورجہاں نے جس زمانے میں شیر افگن کی زوجیت میں تھیں، درج ذیل شعر کہا:

نورجہاں گرچہ بہ صورت زن است　　　　در صف مردان زن شیر افگن است

ایک مرتبہ شاہ کو بہت دنوں بعد دیکھا اور یوں خوش ہوئیں کہ ان کی جذابِ آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ جہانگیر نے یہ حالت دیکھی تو بے قرار ہو کر فی البدیہہ کہہ اٹھا:

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نورجہاں بلا توقف بول اٹھیں:

آبی کہ بی تو خوردہ ام از دیدہ می رود (۳۱)

ایک دن جہانگیر ریشمی شاہی لباس جس میں لعل و جواہر جڑے تھے، پہنے ہوئے نورجہاں کے پاس آیا جو زعفرانی لباس زیب تن کیے تھی، نگاہ پڑتے ہی بول اٹھا:

نیست بر گریبانِ تو رنگ زعفرانی　　　　زردی رنگ رخ من شد گریبان گیر تو

نورجہاں فی البدیہہ بول اٹھیں:

تر انہ تکمہ لعلیست بر لباس حریر　　　　شدہ است قطرہ خون منت گریبان گیر (۳۲)

ایک دن نورجہاں اور جہانگیر دونوں باغ میں تھے۔ ایک بوڑھے کو دیکھا جس کی کمر ضعیفی اور ناتوانی سے خم تھی۔ جہانگیر نے کہا:

چہ خم گشتہ می گردند پیران جہاندیدہ؟

نورجہاں نے جواب دیا:

بہ زیر خاک می جویند ایام جوانی را

ایک اور موقعے پر جہانگیر نے شعر کہا:

بلبل نیم کہ نعرہ کشم درد سر دہم　　　　پروانہ ام کہ سوزم و دم بر نیاورم

نورجہاں فی البدیہہ بولیں:

پروانہ من نیم کہ بیک شعلہ جان دہم　　　شمعم کہ شب بسوزم و دم بر نیاورم

ایک روز جہانگیر نے نورجہاں کو تخت پر نیم دراز پایا آنکھیں خواب آلودہ تھیں بولا:

تو مست بادہ حسنی بفرما این دو نرگس را　　　کہ برخیزند از خواب و نگھدارند مجلس را

نورجہاں نے جھٹ جواب دیا۔

مکن بیدار ای ساقی ز خواب ناز نرگس را　　　کہ بدمستند و برہم می زنند الحال مجلس را

کہتے ہیں ایک مرتبہ جہانگیر نورجہاں پر برہم تھا۔ غصے بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ نورجہاں یوں بدیہہ گوئی سے اس آتش خشم کو ٹھنڈا کیا۔

ما تنگ ظرفان حریف لمعہ رنجی نہ ایم　　　دانہ اشکیم ما را گردش چشم آسیاست

تذکروں میں نورجہاں اور جہانگیر کے بے شمار شعری سوال و جواب تحریر کئے گئے ہیں۔ تذکرہ ریحانۃ الادب کے مطابق درج ذیل رباعی نورجہاں کی ہے۔

دل بصورت نہ ہم نا شدہ حیرت معلوم　　　بندۂ عشقم و ہفتاد و دو علت معلوم
زاہد ! ہول قیامت مفکن در دل ما　　　ہول ہجران گذرانیدیم و قیامت معلوم

یہ قطعہ بھی انہی کا ہے۔

وای بر شاعران نادیدہ　　　غلطی را بخود پسندیدہ
سرو را قد یار می گویند　　　ما ہ را روی او نجیدہ
ماہ جرمی است نا تمام عیار　　　سرو چوبی است ناتراشیدہ (۳۳)

وزیر

وزیر النساء نام، وزیر تخلص کرتی تھیں۔ دہلی یا پٹیالے کی رہنے والی تھیں۔ آپ لڑکیوں کے ایک سکول میں استاد کے مرتبے پر فائز تھیں۔ عمر کے آخری حصے میں لاہور چلی گئیں اور تا دم آخر وہیں کی ہو رہیں۔ شعر گوئی کے حوالے سے موزوں طبع پائی تھی۔ اور اساتذہ میں بھی ممتاز مقام کی حامل تھیں۔ فارسی میں لطیف اشعار کی خالق ہیں۔ نمونۂ شعر ملاحظہ ہو:

دلم از کوچۂ آن زلف دوتا باز آمد　　　رفتہ بود آنچہ ز ما باز بہ ما باز آمد (۳۴)

نہانی اکبرآبادی

دسویں صدی ہجری کے اواخر میں برصغیر کی فارسی زبان کی شاعرہ تھیں۔ اکبرآباد کی رہنے والی تھیں۔ بعد میں آگرے میں سکونت اختیار کی۔ آپ بھی جلال الدین اکبر کی ہم عصر تھیں۔ آپ کے صاحبزادے محمد جعفر اکبرآبادی، جلال الدین اکبر کی طرف سے کشمیر کے امیر البحر مقرر ہوئے۔ درج ذیل شعر نمونے کے طور پر ملاحظہ ہو۔

روز غم، شب درد، بی آرام پیدا کردہ ام　　　دردمندی حادرین ایام پیدا کردہ ام (۳۵)

ھما

ہندوستان کی نویں صدی ہجری سے پہلے کی شاعرہ ہیں۔ درج ذیل شعر ان کا ہے۔

زخونم چہرۂ قاتل چو افشان وقت انجم شد   رخش یک سادہ قرآن بود و از خونم پر انجم شد

یاسمین اُو

آپ ایک خوشنویس فارسی شاعرہ تھیں۔ آپ مرزا عسکری دامغانی کی شریک حیات تھیں۔ دکن میں گلبرگ کے علاقے میں رہائش پذیر تھیں۔ شوہر کی وفات کے بعد دہلی چلی آئیں اور آرام و آسائش سے بقیہ زندگی گذاری۔ خط شکستہ اور نستعلیق میں ماہر تھیں۔ درج ذیل اشعار آپ ہی کی نوک قلم کی تراوش ہیں۔

بنوشیدم سحر گہ چون شراب بے ریائی را   گرو کردم بہ جام می لباس پارسائی را
شدم ھمدم بہ می خواران بخلوت خانۂ حیرت   شکستم ساغر و پیمانۂ زہد ریائی را
گرفتم دامن صحرا شدم ہم پیشۂ مجنون   سبق آموز گشتم درس عشق بی نوائی را (۳۶)

منابع و مآخذ

۱۔ زبان سخنور، علی اکبر مشیر سلیمی، ج ۱، ص ۳۴، ۱۳۳۶، ایران اور مرآت الخیال، شیر علی خان لودھی، ص ۳۳۶، ممبئی، ۱۳۱۳ ق

۲۔ وہی ماخذ، ص ۵۶

۳۔ تذکرۃ الخواتین، محمد بن محمد رفیع، ص ۷۷، ممبئی۔ مطبعہ مرزا محمد شیرازی، ۱۳۰۶ھق

۴۔ نزھۃ الخواطر، ص ۱۲۲، ۱۲۳، علامہ الشریف عبدالحئی، مطبعہ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ ۱۹۶۲۔ حیدر آباد دکن

۵۔ وہی ماخذ

۶۔ تاریخ شعرا و سخنوران فارسی در لاہور، ص ۳۲۱۔ یکین خان لاہوری، نیشنل پبلشنگ ہاؤس ۱۹۷۱۔ کراچی

۷۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۸۴-۸۵

۸۔ پارسی گویان ہندو سند، ص ۱۶۸، ہرول سدارنگانی، بنیاد فرہنگ ایران ۔ ۱۳۵۵۔ تہران

۹۔ حدیقۃ العشرت، ص ۸، کنور درگا پرشاد سندیلوی، لکھنؤ ۱۸۹۸۔ ہندوستان

۱۰۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۹۴

۱۱۔ تاریخ تذکرہ ہای فارسی، ج ۲، ص ۸۲۹، احمد گلچین معانی، کتابخانہ سنائی ۱۳۶۳ تہران

۱۲۔ شعر فارسی در بلوچستان، ص ۸، دکتر انعام الحق کوثر، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۱۳۵۳۔ اسلام آباد

۱۳۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۱۳۳

۱۴۔ کاروان ہند، ص ۱۲۳۵، ج ۲، احمد گلچین معانی، آستان قدس رضوی، مشہد ۔ ۱۳۶۹ھش

۱۵۔ تذکرۃ الخواتین، ص ۱۴۱

۱۶۔ تاریخ تذکرہ ہای فارسی، ص ۲۳، ج ۱

۱۷۔ تذکرہ صبح گلشن، ص ۳۹۴، سید حسن علی خان، بھوپال ۱۳۹۵ھق

۱۸۔ زبان سخنور، ج ۱، ص ۲۸۱-۲۸۵

۱۹۔ ذکر جمیع اولیای دہلی ۔ ص ۱۵۴، حبیب اللہ، بہ تصحیح و تعلیقات دکتر شریف حسین قاسمی، دانشگاہ دہلی ۱۹۸۷

۲۰۔ زبان سخنور، ج ۲، ص ۳۱

۲۱۔ کاروان ہند، ج ۲، ص ۱۱۳۵

۲۲۔ حدیقۃ العشرت، ص۴۰

۲۳۔ تذکرۃ الخواتین، ص۱۵۸، زنان سخنور، ج۲، ص۱۰۵

۲۴۔ مخزن الغرائب، ج۳، ص۷۵۰، شیخ احمد علی خان ہاشمی سندیلوی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۳۷۱ھ ش

۲۵۔ وہی مآخذ

۲۶۔ زنان سخنور، ج۲، ص۱۱

۲۷۔ وہی مآخذ، ص۱۰۹

۲۸۔ مشاہیر زنان ایرانی و پارسی گوی از آغاز تا مشروطہ، ص۲۰۳، محمد حسین رجبی، سروش تہران ۱۳۷۴

۲۹۔ وہی مآخذ، ص۲۱۴

۳۰۔ زنان سخنور، ج۲، ص۱۹۳

۳۱۔ وہی مآخذ، ص۱۵۲

۳۲۔ کاروان ہند، ص۱۴۶

۳۳۔ زنان سخنور، ج۲، ص۳۷۴-۳۷۵

۳۴۔ وہی مآخذ، ص۳۸۳، صبح گلشن، ص۵۹۰

۳۵۔ صبح گلشن، ص۵۶۹

۳۶۔ تذکرۃ الخواتین، ص۷۷